آشیانہ

05-04-2017

فہرست

صحت

ماحولیاتی آلودگی کا شکار بچے ۱

ادب و مزاح

اکرم سہیل اور عصری تاریخ ۲

سائنس / ٹیکنالوجی

پولیتھین بیگز ، ایک خاموش قاتل ۴
جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اہمیت! ۷
شوگر مافیا کا عروج اور کپاس کا زوال ۹

مشہور شخصیات

اردو ادب کاایک نام۔ ابن انشاء ۱۰

معاشرہ اور ثقافت

اپریل فول ،جھوٹ کا عالمی دن ! ۱۱

ماحولیاتی آلودگی کا شکار بچے

مصنف: یوسف

عالمی ادارہ صحت کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں بچوں کا مستقبل ان کی صحت کے حوالے سے انتہائی خطرے سے دو چار ہے،اس کی وجہ ماحولیاتی آلودگی بتائی گئی ہے۔ اس آلودگی کی وجہ سے ایک اعشاریہ سات ملین بچے ہر سال دنیا بھر میں موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

بچوں کی ہر چار اموات میں سے ایک یا اس سے زیادہ غیر صحتمندانہ ماحول کی وجہ سے ہوتی ہے۔ہر سال ماحولیاتی خطرات جن کا تعلق اندرون یا بیرون سے ہوتا ہے جن میں فضائی آلودگی،دھوئیں کی وجہ سے آلودگی،مضر صحت پانی،غیر مناسب سیوریج کا نظام یا سیوریج کے نظام کی عدم دستیابی اور حفظان صحت کے نظام کی خرابی کی وجہ ہر سال سے ایک اعشاریہ سات ملین بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہے لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت کی دو مزید نئی رپورٹیں بھی منظر عام پہ آئیں جن میں ایک رپورٹ:Inheriting a Sustainable World: کے مطابق ایک ماہ سے پانچ سال کے بچوں کی موت کی وجہ ہیضہ،نلیریا اور نمونہ ہیں،جن کا تدارک ماحولیاتی خطرات کو کم کر کے کیا جا سکتا ہے۔جیسا کہ صاف پانی کا حصول،پکانے کے لئے صاف ایندھن کی دستیابی، عالمی ادارہ صحت کی ڈائرکٹر جنرل Dr Margaret Chan, کا کہنا ہے"آلودہ ماحول خاص طور پہ بچوں کے لئے مہلک ثابت ہوتا ہے۔ان کے بڑھتے ہوئے اعضاء، کمزور مدافعانہ نظام اور ان کی چھوٹے جسم اور ہوا کے راستے انہیں گندے پانی آلودہ ہوا سے غیر محفوظ بناتے ہیں،ان خطرات کا آغاز ماں کے پیٹ سے شروع ہوتا ہےاور قبل از وقت پیدائش کے خطرات کو بڑھاتا ہے۔مزید یہ کہ جب اندرون خانہ یا بیرون جب شیر خوار اور سکول جانے سے پہلے کی عمر کے بچے ہوائی آلودگی اور سگریٹ کے دھوائیں سے متاثر ہوتے ہیں تو ان میں نمونیہ کے خطرات بڑھ جاتے ہیں اور سانس کی متعدی بیماری جیسا کہ دمہ وغیرہ کا شکار ہونے کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔اس کے علاوہ ہوائی آلودگی میں رہنے کی وجہ سے دل کی بیماریوں، کینسر کا بھی خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پانچ بڑی وجوہات جن کا تعلق بچوں کی اموات سے ہے ان کا تعلق ماحولیات سے ہے۔

ایک اور رپورٹ:A companion report, Don't pollute my future! The impact of the environment on children's health نے جامع جائزہ پیش کیا ہے جس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

۵۷۰۰۰۰ پانچ لاکھ ستر ہزار بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہیں ہر سال سانس کی بیماریوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں جو کہ فضائی آلودگی اور سگریٹ کے دھوئیں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

۳۶۱۰۰۰ تین لاکھ اکسٹھ ہزار بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہیں صاف پانی تک عدم رسائی،سینی ٹیشن کے نظام کی خرابی اور حفظان صحت کے اصولوں پہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہیضہ کا شکار ہوتے ہیں جس کی وجہ ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔

۲۷۰۰۰ دو لاکھ ستر ہزار وہ بچے ہیں جو اپنی عمر کے ابتدائی مہینہ میں حفظان صحت کے فقدان، گندے پانی اور فضائی آلودگی کی بدولت اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ بیٹھتے ہیں۔

۲۰۰۰۰۰ دو لاکھ بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہے ملیریا کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں ان کی زندگی کو بچایا جا سکتا ہے اگر ماحول کی صفائی کی جائے اور مچھروں کا تدارک کیا

جائے۔

۲۰۰۰۰۰ دولاکھ بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہں وہ انجانے میں زخمی ہوتے ہیں مثلا زہر خورانی، گرنا اور پانی میں ڈوبنا وغیرہ۔

اوپر دیئے گئے اعداد وشمار اگرچہ کہ پوری دنیا سے لئے گئے لیکن اس تناظر میں آج ہم اپنے حالات کا جائزہ لے سکتے ہیں،کہ ہم ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے کس قدر احتیاط برت رہے ہیں، فضائی آلودگی کے حوالے سے عالمی روپورٹیں ہمارے ملک کے بڑے شہروں کے بارے جاری ہوتی رہتی ہیں کہ کس قدر آؤدگی بڑھ رہی ہے،ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق کراچی کی فضا میں اوزون کی تہہ کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے، اس کے علاوہ کراچی ہی کی میڈیا رپورٹس موجود ہیں کہ اکثریتی آبادی آلودہ پانی پینے پہ مجبور ہے۔یہ صورتحال پاکستان کے تمام بڑے اور چھوٹے شہروں کی ہے،بڑی بڑی آبادیاں گٹر وں سے آلودہ پانی پیتی ہیں،فضائی آلودگی کا حال یہ ہے کہ نہ ٹریفک کا نظام فعال ہے جو کہ دھواں چھوڑنے والی گاڑیوں کا تدارک کرے اور نہ ہی فیکٹریوں اور ملوں کے دھوئیں اور دیگر ویسٹ کو مناسب طریقے سے ٹھکانے لگانے کا کوئی عملی اور فعال نظام موجود ہے،اور مزید یہ کہ سب سے بری حالت سالڈ ویسٹ کے نظام کی ہے یا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ملک کے کسی بھی حصے میں قابل ستائش سالڈ ویسٹ سسٹم موجود نہیں ہے اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہسپتال سانس،معدے،کینسر، گردے،دل کی بیماریوں کے مریضوں سے اٹے پڑے ہیں۔اور خاص طور پہ بچوں کی اموات ہو رہی ہیں۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ حکومتی سطح پہ ہنگامی بنیادوں پہ کام ہونا چاہئے،خاص طور پہ بلدیاتی نظام کو فعال اور منظم کرنے کی ضرورت ہے اور اس نظام سے کرپٹ اور کالی بھیڑوں کو نکالنے کی ضرورت ہے تاکہ بہتر لوگ آگے آئیں اور ایک منظم سینی ٹیشن،پینے کے صاف پانی، سالڈ ویسٹ میجمنٹ، ٹائون پلاننگ کے ذریعے ماحولیاتی آلودگی سے ملک کو پاک کر نے میں کردار ادا کریں اور اس کے علاوہ ہر فرد معاشرہ پہ انفرادی سطح پہ بھی یہ اولین ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بھی ماحول کو صاف کرنے میں اپنا کردار ادا کرے مثلا سگریٹ نوشی، سے اجتناب گلی و محلے میں کھلی جگہوں پہ کوڑا کرکٹ پھینکنے کی عادت کو ختم کرنا،، اپنے گلی اور گھر کی سیوریج کے نظام کو بہتر بنانا، کھلی نالیوں کو بند کرنا اور حفظان صحت کے اصولوں پہ نہ صرف خود عمل کرنا بلکہ خاص طور پہ بچوں کی تربیت کرنا۔اس حوالے سے خاص طور سکولوں اور کالجوں کی سطح پہ تربیت کا نصاب ترتیب دینا نیز پبلک کی آگاہی کے لئے مہمات اور اس سلسلے میں حکومتی اداروں کے شانہ بشانہ اپنا حصہ ڈالیں ،۔یقیناًاجتماعی کوششوں سے ہی اپنے بچوں کے مستقبل کو محفوظ بنایا جا سکتا ہے۔

§§§

اکرم سہیل اور عصری تاریخ

مصنف: یوسف

کہتے ہیں کہ ایک بار اشرف صبوحی کسی کام سے حفیظ جالندھری کے گھر گئے ۔وہاں انہوں نے حفیظ جالندھری سے کوئی کتاب طلب کی جو کسی الماری میں تالا بند تھی ۔ حفیظ جالندھری صاحب نے بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی ۔۔بیگم ذراچابی دینا، ایک کتاب نکالنی ہے۔اس پر صبوحی چہک کربولے "ہاں ہاں ضرورچابی دیجیے یہ بھی اب جاپانی کھلونا بن گئے ہیں۔ چابی کے بغیر چل نہیں سکتے"

یہ تو گئے زمانوں کی بات ہے جب ٹیکنالوجی ذرا کم ترقی یافتہ تھی اور ان دنوں مارکیٹ پر جاپان چھایا ہوا تھا۔ اب معاملہ ذرا اور آگے بڑھ گیا ہے۔ ایک طرف چین کا سایہ ہے تو دوسری طرف ریموٹ کا دوردورا۔ اسلئے اب ہمیں ہم تم کمرے میں بند ہوں اور چابی کھو دیں جیسے گیت سننے کو نہیں ملتے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اب "ٹچ" سسٹم چل رہا ہے۔ سواب "ٹچ می ناٹ " بھی نہیں کیا جاسکتا ۔ ہاں تو صبوحی کا ٹھٹھا اپنی جگہ مگر یہ حقیقت ہے کہ اب عمومی طورپر سوچ و عمل کے باب میں کچھ ایسے ہوگئے ہیں کہ صاف نظر آتا ہے کہ ریموٹ کہیں اور ہے حرکت کہیں اور ۔۔اس بے حس و جامد کیفیت میں کچھ فرزانے بلکہ دیوانے ایسے ہوتے ہیں جو" کھل جاسم سم " کا اسم اعظم الاپتے سناتے دوڑتے بھاگتے پھرتے ہیں۔ کہ شاہد کہیں کوئی جنبش ہو اور کوئی روک بندش کھلے ۔ وہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے ۔ جو کہنے کو کئی سال بیوروکریسی میں گزار بلکہ گنوا کر آیا ہے۔ لیکن ایسا کملا "نیانا" کہ برسوں پہلے دیکھے خواب سنجالے پھرتا ہے۔ اسے گمان ہے کہ اس کے خواب نئے اجالوں کے سفیرہیں۔ اس کا گمان وقت کے ساتھ ساتھ ایقان میں بدلا سو وہ کہنے کے قابل ہوا۔

میں وہ جانتا ہوں حقیقتیں جو اس ارضِ بے نوا کی ہیں گر دل میں رکھ کے ہی سو گیا تمہیں کون پھر یہ بتائے گا اس نے اپنے خوابوں کا انتساب کچھ ایسا کیا کہ سب ظاہر باہر ہوگیا۔ مشہور پہاڑی آخان ہے کہ " جمنیاں ناں بالا نیدری اے اینا" اس کی فکر و شاعری کے باب میں یہ آخان مکمل طورپر صادق آتا ہے کہ اس کا حرف حرف لفظ لفظ اس کی سوچ کا آئینہ دار ہے۔

وہ "حمد" لکھتا ہے تو کہتا ہے کسی نے لو جو لگائی تو اس کو دار ملی کہیں تو نوکِ سناں تن کے آر پار ملی وہ تیرے نام کا صدقہ اتارنے کے لئے دیا تھا دل تو چلے جان وارنے کے لئے اور "نعت " کہے تو یوں گویا ہوتا ہے۔ قاطع عہدِ غلامی وہ بشیر اور نذیر عہدِ ظلمات میں وہ شمس الضحیٰ کی تنویرِ ظلم کا ہاتھ جھٹک دینے کی توفیق ملی بند سوچوں کو بھی پھر جرات تحقیق ملی غالباً اسی متبرک سوتے سے تحقیق وتخلیق کی جرات پا کر جب وہ آگے بڑھتا ہے تو اس کا اسمِ اعظم کام کرجاتا ہے۔ وہ کھل جا سَم سَم کہتا ہے تو ملکی حالات ، تاریخ ،تحریک اور سیاست کے بند در اس کے سامنے کچھ یوں واہوتے ہیں کہ وہ سات پردوں میں ہونے والے معاملات کو بھی دیکھ سمجھ لیتا ہے۔اس کی پرکھ کی یہ صلاحیت دیکھ کر کبھی کبھی وہ مجھے "حکایت" کے صابر راجپوت کی کہانیوں کا "کھوجی " لگتا ہے جو کھرا اُٹھاتا ہے، تو ملکی وسائل لوٹنے والوں کے گھر تک پہنچتا ہے۔ وہ اس سمجھ بوجھ کو جب اپنی اہلیت اور فنی ریاضت کے سہارے شاعری کا پیر ھن پہنا تا ہے تو وہ سنور نکھر کر یوں سامنے آجاتی ہے کہ سیاہ اندھیرے میں چاندنی سی چٹک چمک بن جاتی ہے۔

وہ فکر ی طورپر راسخ ہے سو اُسے کر بلا حریت کا استعارہ لگتا ہے اور اسے یہ جرات بھی حاصل ہے کہ وہ فیض سے پوچھ پائے کہ "کب راج کرے کی خلقِ خدا " حریت او رفیض کا تذکرہ آیاتو یہ کہنا حق بنتا ہے کہ وہ ترقی پسند فکر کا حامل شخص و شاعر ہے اسی لئے اس کی شاعری میں مزاحمت کا عنصر بہت واضح ہے اوروہ جرآت وہمت کو رھبر کرکے خلق خدا کی حالت بدلنے کی آس رکھتا ہے۔ وہ شہر کے قلم کاروں کو حرمت لفظ کا امین بتاتاہے اور ہمیں بتایا ہے کہ "جئی روح اوہے جے فرشتے " یعنی جیسا تو ویسے حکمران بابا۔

! ابن انشاکا کہناہے کہ حق اچھا پر ا س کے لئے کوئی اور مرے تو اور اچھا سو ہم بحیثیت مجموعی وہ محتاط و منافق لوگ ہیں جو ہرسو ظلم کی پادشاہی دیکھ کر اسے غلط تک کہنے سوچنے سے بھی گریزاں ہیں کہ مبادا یوں نہ ہوجائے مبادا ووں نہ ہو جائے ۔ اس کی شاعری کا مطالعہ بتایا ہے کہ وہ اس" احتیاط "سے ممکنہ طورپر بچا رہا ہے۔ اور اس کی یہ عادت اس کی فطرت ثانیہ بن گئی ہے۔ لہٰذا اس کا لکھا حرف حرف لفظ لفظ ،شعر، نظم ، قطعہ، غزل سبھی کچھ ایک خاص فکر کا غماز ہے۔وہ ادب برائے زندگی کا قائل بلکہ اس سے گھائل ہے۔ سو اس کے سارے موضوعات زندگی بلکہ کرب انگیز زندگی سے کشید ہوئے ہیں۔ اسلئے اس کی شاعری میں صداقت بھی ہے اور بغاوت بھی ۔ وہ جانتا ہے کہ "حکم شاہی "یوں ہی ملتا ہے۔

حکم شاہی ہے مرا جشن منایا جائے میرے ارمانوں کا ایک تخت بچھایا جائے میرے احکام کی تعمیل مگر ہو ایسے سی تختی کسی کاغذ پہ نہ لایا جائے ایسی بستی کہ جہاں لوگ ہوں گستاخ بہت ایساگھر کوچہ و بازار جلایا جائے * وہ بھی کچھ ایسا ہی" گستاخ" ہے مگر ا س نے ہر بات نہایت سجوڑ پنے سے کئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی فکر عمومی طورپر اس کے بیان کی راہ میں حائل نہیں ہوتی ۔

یوں تو "نئے اجالے ہیں خواب میرے" ۔دس حصوں پر مشتمل ہے اور اس کے تمام حصے ایک دوسرے سے مربوط ہیں کہ اس کا موضوع مظلوم ملک و لوگ ہیں اور مظلوموں کے درد سانجھے ہوتے ہیں اور ان کے درمیان فطری اتحاد ہونا بھی لازمی امر ہے لیکن اس کے دو خصوصی حصے جو کشمیریات یعنی کشمیر کی تحریکِ آزادی اور یہاں کے قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کا احوال بیان کرتے ہیں، خاصے کی چیز ہیں۔

کہتے ہیں کہ افغانستان کے جہاد اور روس کے سقوط کا اصل سبب کسیئین میں پایا جانے والا سنہری سیال ہے۔ اس طرح ماہرین کہتے ہیں کہ دنیا میں آئندہ جنگیں پانیوں پر ہوں گی۔ ان دو حوالوں کو ذہن میں رکھ کردیکھا جائے تو گزشتہ کئی سالوں سے کشمیر کی ماہلوں اور نالوں پر قبضے کا ایک خاموش عمل آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ عمل وہ ہے جسے اِس نے "واٹر لانڈرنگ " کا نام دیا ہے۔ اس نے پہلی بار اس اہم اور بے حد حساس معاملے کو دیکھا اس پر سوچا اور پھرپوری جرآت سے لکھا۔ یوں مجھے اس کی شاعری کشمیر کی عصری تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ اس عصری تاریخ کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو مجھے شعوری طورپر یہ عمل ایک نئے کشمیر کی دریافت لگتا ہے۔

اکرم سہیل کی شاعری میں نظم و قطعے کا پلا ذرا بھاری ہے۔ اس کی نظم ہنگامی و موضوعاتی نوعیت کی ہے۔ یوں وہ مولانا ظفرعلی خان کی راہ کا راہی کہلا سکتا ہے۔ لیکن بلند آھنگی اور پر شکوہ انداز کے باعث اور غالباً فطری میلان میں یکسانیت کے سبب وہ غیر محسوس انداز میں جوش کی پیروی کرتا نظر آتا ہے۔ اس کی نظم و قطعے کا باہم مطالعہ گزشتہ دو تین دہائیوں کی تاریخ کے وہ در وا کرتا ہے جو عمومی طورپر ڈاہڈے باٹے کرکے بند کردیئے جاتے ہیں۔

اپنی طبیعت اور شخصیت میں وہ حلیم و متوازن شخص فیض اور احمد ندیم قاسمی کا مقلدلگتا ہے۔فیض جو ادب برائے زندگی کے قافلے کا سر خیل تھے کہ متعلق کتابوں میں پڑھا اور لوگوں سے سنا ہے کہ وہ علم ،حلم اور نظم کا آمیزہ تھے تو اسی طرح ربّ کی مہربانی سے کھلی آنکھوں سے ندیم کو بار بار دیکھا تو یہ جانا کہ فنی ہنر مندی اور سلیقہ شعاری کیا ہوتا ہے ۔اکرم سہیل شخصی حوالوں سے ان سے متاثر لگتے ہیں لیکن مزاحمتی شاعری میں ان پر جالب ذرا زیادہ غالب نظرآتے ہیں۔ شاہد حالات کی سختی اور تلخی نے ان کے لہجے کو ذرا تند کردیا ہے، ورنہ یوں تو وہ رسیلے میٹھے شخص ہیں۔

اکرم سہیل جب کشمیر کہانی کہتے ہیں تو وہ یہاں کے بہتے پانی کو نہیں بھول پاتے جو ہائیڈرل جنریشن کی نجکاری کی صورت میں دے دیا گیا،اسی لئے ان کا کہنا ہے ۔

نالہ صدیوں سے ہے دلگیر میرا جسم بھی پابہء زنجیر میرا جس کے پانی پہ میرا حق ہی نہیں کیسے کشمیر و ہ کشمیر میرا مسئلہ کشمیرپر اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کیا رخ بھی یہ دیکھا ہے کشمیر کہانی کا باقی ہیں یہ سب نعرے مسئلہ ہے یہ پانی کا یا پھر میری دھرتی کی ایک ہی دولت ہوسِ زر کا وہی شکار ہوئی کیسے قبضے میں غیر کے آئی یہ حقیقت بھی

آشکار ہوئی اکرم سہیل نے کشمیر کے قدرتی وسائل کی لوٹ مار کو پہلی بار موضوع شاعری بنایا ۔سووہ کہتے ہیں۔

میرے دریاؤں کی باتیں ، میرے اشجار کی باتیں میرے یاقوت کی باتیں، میرے مرجان کی باتیں جو ہو قومی وسائل لوٹنا مقصد ہی جب ان کا کہاں بھاتی ہیں ا ن کو قاعدہ قانون کی باتیں اکرم سہیل کی شاعری یقینا کشمیر کے مزاحمتی ادب میں ایک بامعنی اضافہ ہے ۔جس کی گونج نہیں جلترنگ دور اور دیر تک سنائی دے گی ۔ کہ اس میں کشمیر کے بہتے جھرنوں اور گنگناتی ندیوں کاترنم و الم ہے اور اس کی تاثیر یقینا گہری اور ڈاہڈی ہے۔ کہ یہ دھرتی کے سینے پر رقم وہ تحریر ہے جسے محسوس کئے بنا آگے نہیں بڑھا جاسکتا ۔

§§§

پولیتھین بیگز ، ایک خاموش قاتل

مصنف: یوسف

پاکستان میں پلاسٹک کے بنے ہوئے شاپنگ بیگز جنہیں پولیتھین بیگ کہا جاتا ہے۔پولیتھین بیگ آنے سے قبل جب لوگ گھر کا سودا یا سامان لینے کے لئے بازار جاتے تھے تو اپنے ساتھ کپڑے کا تھیلا یا کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ٹوکری لے کر گھر سے نکلتے تھے۔کپڑے کے تھیلے مارکیٹ میں سلے سلائے بھی ملتے تھے اور خواتین گھروں میں خود بھی سی لیتی تھی۔مگر آج آپ بازار کو رخ کریں تو آپ یہ دیکھ کر حیران نہیں ہونگے کہ ہر سوداسلف خریدنے والا ہاتھ پولیتھین بیگ تھامے ہوئے دکھائی دے گا ،ایک پاؤ لیموں سے لے کر کپڑوں تک ہر چیز آپ کو پولی تھین بیگز میں ملے گئی۔چونکہ پلاسٹک جدید کیمیائی صنعت میں بہت ہی سستی اور عام شے ہے جو ہماری زندگی میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ پلاسٹک کو آج ہمارے یہاں اس قدر اہمیت حاصل ہوچکی ہے کہ اس کے بغیر اب روزمرہ زندگی ادھوری لگتی ہے۔ہم روزانہ پلاسٹک سے بنائی گئی کوئی نہ کوئی چیز ضرور استعمال کرتے ہیں، جبکہ پلاسٹک کا سب سے زیادہ استعمال ہم پولیتھین لفافوں یا بیگز کی صورت میں کرتے ہیں۔ یہ بیگ یا لفافے وزن میں انتہائی ہلکے اور سستے ہوتے ہیں اور ہم انہیں کسی بھی طرح سے استعمال کرسکتے ہیں۔ ان ہی فائدوں کو دیکھ کر ہم ان کا بکثرت استعمال کرتے ہیں، لیکن اسکے مضر اثرات کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ ان پلاسٹک بیگز کو استعمال کے بعد پھینک دیا جاتا ہے، لیکن یہ اپنی کیمیاوی خصوصیات کے باعث مٹی، پانی یا ہوا میں گلنے سڑنے کے بجائے ہمارے ماحول کیلئے مضر اور ضرر رساں بن جاتے ہیں۔پاکستان میں ایک اندازے کے مطابق روزانہ 15سے29کروڑ پلاسٹک بیگز کا استعمال کیا جاتا ہے۔ 2004میں کئے گئے سروے میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ 2015میں پاکستان میں پلاسٹک بیگز کا سالانہ استعمال 122بلین تک پہنچ جائے گا۔اگر اس تعداد کو روزانہ کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے تو تقریبا پاکستان کی آبادی پر ایک پلاسٹک بیک فی کس روزانہ آتا ہے۔1965میں سویڈن کی ایک کمپنی نے پولیتھین بیگز کو متعارف کرایا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دنیا میں عام ہو گیا اورپاکستان میں پلاسٹک کے شاپر بیگز80کی دھائی میں شروع ہوئے اورپھر پورے پاکستان میں مشہور ہو گئے۔ اب تو دودھ اور دہی تک پولیتھین کے لفافوں میں بیچا جاتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے کھجور کی ٹوکریوں کو ختم کر دیا اور پولیتھین کی آمد نے کاغذی لفافوں کی مارکیٹ ختم کر دی۔ اب پولیتھین کے شاپر بیگوں نے پاکستان میں ماحول کو آلودہ کیا ہوا ہے، گٹر بند ہو رہے ہیں، نالیاں شاپر بیگ اور چپس کے بیگوں سے اٹی پڑی ہیں۔ کوڑے کیساتھ انہیں جلانے سے بیماریاں پھیل رہی ہیں۔کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں درجن بھر فیکٹریاں ہیں جو کہ پلاسٹک بیگز بناتی ہیں جو کہ کروڑوں بیگ روزانہ کی بنیاد پر بنا کر بیچ رہی ہیں۔

پلاسٹک ایک پولیمر ہے جو کہ ایک یا مختلف کیمیائی اجزاء سے مل کرتیار کیا جاتا ہے۔پلاسٹک کی عموماً دو اقسام استعمال کی جاتی ہیں، جن میں سے ایک قدرتی ہے، جو درختوں اور جانوروں سے حاصل کیا جاتا ہے، جبکہ پلاسٹک کی دوسری قسم لیبارٹری یا فیکٹری میں تیار کی جاتی ہے۔قدرتی پولیمر کی پہلی قسم کے دائرے میں نشاستہ یا اسٹارچ اور سیلولوس، جبکہ دوسری قسم میں پروٹین شامل ہے، جس میں لکڑی، ریشم، چمڑا وغیرہ آتے ہیں۔ قدرتی پولیمر کی تیسری وہ قسم ہے جس میں ڈی این اے اور آر این اے آتے ہیں، جو ہمارے نشوونما کے ضامن ہیں مصنوعی پولیمر دراصل لیبارٹریز میں تیار کیا جانے والا پلاسٹک ہے۔ اس کی عام اقسام میں پولی تھین، پولی اسٹیرین، سینتھیٹک ربڑ، نائیلون، پی وی سی، بیکولائٹ، میلامائن، ٹیفلون اور آرلون وغیرہ شامل ہیں۔پولی تھین دراصل ایک سیال مادہ ہے جسے باآسانی کسی بھی شکل و صورت میں ڈھالا جاسکتا ہے اور کسی بھی رنگ میں رنگا جاسکتا ہے، جبکہ اسے نرمی اور ملائمیت کی کسی بھی حد تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسی خصوصیت نے اسے انتہائی سستے پولی تھین لفافوں، بیگ اور دیگر کارآمد اشیاء کی تیاری میں مقبول عام بنایا ہے۔پولی تھین یا پلاسٹک کا استعمال اب ہماری روز مرہ زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکا ہے اور یہ استعمال دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔ یوں تو پولیتھین کا استعمال ناگزیر بن چکا ہے، لیکن اسے استعمال کرنے کے بعد یونہی پھینک دینے کا سوال کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ہمارے خطے میں لوگ تو پولی تھین سے بنے لفافے اور تھیلے استعمال کرنے کے عادی ہوچکے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمارے یہاں ان اشیاء کو استعمال کرنے کے بعد صحیح ڈھنگ سے ضائع کر نے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ان لفافوں اور تھیلوں کو بلا تردد گلی کوچوں، سڑکوں، نالیوں، دریاؤں اور باغیچوں، حتٰی کہ اپنے گھروں کے صحن میں بھی بغیر سوچے سمجھے پھینک دیا جاتا ہے اور یہی لاپرواہی ہمارے ماحول کی آلودگی کا سب سے بڑا سبب بن چکی ہے۔ عام استعمال میں آنے والا پولی تھین اگرچہ ہمارا سستا دوست ہے لیکن ہماری ناسمجھی اور غفلت کی وجہ سے یہی سستا دوست ہمارا سب سے بڑا دشمن بنتا جارہا ہے ۔ماحول کو متوازی رکھنے کے بارے میں ہماری بے حسی اور لاعلمی کے باعث پولی تھین کی استعمال شدہ اشیاء گلیوں، نالیوں، دریاؤں اور جھیلوں میں اپنا مسکن بنالیتی ہیں، جو پانی کی نکاسی کے نظام کو درہم برہم کرنے اور خطرناک صورتحال پیدا کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے۔ ملک کے مختلف شہری علاقوں میں پولی تھین سے نالیوں اور سیوریج کا بند ہونا ایک وباء بن چکی ہے۔ گندے پانی کے نکاس بند ہونے کے نتیجے میں تمام قریبی علاقوں میں بدبو، گندگی اور مختلف بیماریوں کو دعوت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ برسات کے موسم کی ذرا سی بارش بھی ایک سیلاب کا رخ اختیار کرلیتی ہے۔ دوسری جانب ہمارے آبی ذخائر پولی تھین لفافوں کی آماجگاہ بن رہے ہیں جن سے آبی حیات کا بری طرح متاثر ہونا لازمی بات ہے۔پاکستان کی متعدد جھیلوں اور دریاؤں میں پولی تھین سے بنائی گئی بے شمار اشیاء کو تیرتے، بہتے اور جمع ہوتے دیکھا جاسکتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان کے پرفضاء پہاڑی علاقوں میں بھی پولی تھین اپنے برے اثرات پھیلا چکا ہے اور وہاں کی صاف ستھری آب و ہوا اور ماحول کو بھی متا ثر کرنے میں مصروف عمل ہے۔ پولی تھین کا استعمال ہماری بے احتیاطی کی وجہ سے جتنا عام ہوگا، اتنا ہی ہمارا ماحول بھی اس کے مضر اثرات سے متاثر ہوتا چلا جائے گا۔

پولی تھین چونکہ ایک نہ سڑنے والی شے ہے ، اس لئے یہ زمین کی ساخت اور زرخیزی کو بری طرح تہس نہس کر دیتی ہے۔ آسان الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ پولی تھین زمین کی سانس کو بند کرکے اس کو منجمد کر دیتا ہے اور نباتات کو زمین سے جو غذا اور دوسرے اجزاء ملنے چاہئیں ان کی ترسیل میں رکاوٹ ثابت ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں نباتات کی افزائش رک جاتی ہے اور زمین کی پیداواری صلاحیت بھی کمزور پڑ جاتی ہے۔اگر بغور مشاہدہ کیا جائے تو بارش کا پانی پولی تھین کی وجہ سے زمین کے اندر جذب نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہمارے جنگلات بھی بری طرح سے متاثر ہوتے ہیں اور اکثر علاقوں کے جنگلات اور زرعی زمینیں پولی تھین کی وجہ سے اپنی ساخت اور صلاحیت کھو دیتی ہے، اور ہماری پیداوار گھٹتی چلی جاتی ہے۔قابل غور امر یہ ہے کہ سڑکوں، گلی کوچوں، نالیوں اور کھلی جگہوں پر پھینکے گئے پولی تھین بیگز ہمارے مویشی بھی کھالیتے ہیں جو ان کیلئے جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔ حال ہی میں ایک ویٹرنری ہسپتال میں جب ایک بیمار گائے کا آپریشن کیا گیا تو اس کے پیٹ سے کئی کلو وزنی پولی تھین کے بیگز نکلے۔ اس کے علاوہ ایک تحقیقاتی

ٹیم نے ایک مردہ گائے کا آپریشن کرکے اس کے پیٹ سے 40 کلو گرام پلاسٹک بیگز نکالے۔ اس طرح نہ جانے کتنے ہی مویشی پلاسٹک اور پولی تھین کھا کر زندگی کی بازی ہار چکے ہوں گے۔دوسری جانب پولی تھین بیگز میں استعمال کئے جانے والے رنگ بھی مضرصحت ہوتے ہیں، جن کے برے اثرات ہماری صحت کو متاثر کرسکتے ہیں۔ اگر ان لفافوں اور بیگز کو جلایا جائے تو ان کا دھواں ہوا کو زہر آلودہ کردیتا ہے۔یہ دھواں ہماری آنکھوں، جلد اور نظام تنفس پر بری طرح سے اثر انداز ہوتا ہے اور یہی دھواں سردرد کا موجب بھی بنتا ہے جوکہ جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔مختصر یہ کہ پلاسٹک اور پولی تھین اپنے ضرر رساں، مضر صحت اور انتہائی نقصان دہ اثرات سے انسانی زندگی، حیوانات و نباتات، چرند پرند اور ہمارے پورے ماحول کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کرتا ہے۔دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں تو پلاسٹک کے تھیلوں کے استعمال پر پابندی لگائی جاچکی ہے اور کئی ممالک پابندی لگانے پر غور کررہے ہیں۔پلاسٹک کے تھیلے یا پولیتھین بیگ کو عالمی سطح پر ناقابل استعمال قرار دیا جا چکا ہے۔کیونکہ ان کی وجہ سے ہم کئی بیماریوں اور مسائل کا شکار ہو رہے ہیں لیکن اسکا متبادل ذریعہ دریافت نہ کرنے کی وجہ سے اب یہ ہمارے معاشرے کا لازمی جز بن چکا ہے۔چین میں پلاسٹک بیگز کے لیے الگ سے پیسے دینے پڑتے ہیں جس کی وجہ سے پلاسٹک بیگز کے استعمال میں نمایاں کمی آئی ہے۔سائنسدانوں کے مطابق یہ تھیلیاں گلنے کے لئے اگر مٹی میں دبی ہو تو کم از کم ایک ہزار سال اور اگر پانی میں پڑے رہے تو تقریباً 4500 سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ اپنی ان منفی خصوصیات کی وجہ سے پولیتھین بیگز پوری دنیا کے ماحول کی لئے سنگین خطرہ ثابت ہورہے ہیں۔ وزن میں ہلکا ہونے کے باعث یہ بیگز ہوا کے ساتھ اڑتے رہتے ہیں اور نالیوں اور سیوریج سسٹم تک پہنچ کر اسے بند کر دیتے ہیں۔ ان بیگز سے ماحول کے نقصان کو بچانے کے لئے سمجھدار قوموں نے شاپنگ بیگز کے استعمال پر پابندی عائد کردی ہے اور کئی ملکوں میں دکان داروں کو پابند کیا گیا ہے اس کا متبادل تلاش کرلیں۔بنگلہ دیش میں1988 اور 1998 میں آنے والا تباہ کن سیلاب کا ایک اہم سبب ان بیگز کو قرار دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ملک کا ڈرینج سسٹم فیل ہوگیا اور سیلابی کیفیت پیدا ہوگی۔

ماحول کو صاف ستھرا رکھنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ماحول کی آلودگی کے برے اور تباہ کن اثرات سے عوام کو با خبر نہ کیا جائے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ اشیائے ضرورت لانے لیجانے کیلئے کپڑے، پٹ سن اور کاغذ کے تھیلوں اور لفافوں کے استعمال کو عام کیا جائے۔ ایسی اشیاء کی تیاری اور انہیں عوام میں مقبول بنانے کیلئے ہر سطح پر حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ حکومتی سطح پر پلاسٹک اور پولی تھین کے استعمال کے خلاف قوانین بنانے اور ان پر سختی سے عملدرآمد کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس موذی اور ضرر رساں شے کے خلاف جہاں حکومت کو اپنے فرائض نبھانا ہوں گے، وہیں عوامی سطح پر بھی رضاکار تنظیموں کو بھی چاہئے کہ اپنے ارد گرد سے اس نقصان دہ عادت کو ختم کرانے میں اپنا بھرپور تعاون شامل کریں۔ پاکستان بھر میں قائم تقریباً 8 ہزار یونٹس میں سالانہ 55ارب پولی تھین بیگ تیار کرتے ہیں۔پنجاب حکومت پولیتھین کے شاپر بیگ بنانے والوں کے خلاف کریک ڈاؤن جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہماری حکومت اورضلعی انتظامیہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ پلاسٹک کے شاپنگ بیگز ہی ہمارے سیوریج سسٹم کی ناکامی کے ذمہ دار ہیں۔جس کی روک تھام کیلئے پنجاب حکومت صوبے بھر میں بلا امتیاز کارروائیاں کر رہی ہے محکمہ تحفظ ماحول پنجاب نے صوبے بھر میں عوام کو پولیتھین بیگز کے استعمال سے پیدا ہونے والے اثرات سے بچاؤ کے لیے جاری آپریشن کے دوران1674 ایسے مقامات کے دورے کیے جہاں غیر قانونی پلاسٹک بیگز تیار ہو رہے تھے۔خلاف ورزی کے مرتکب 317یونٹس میں سے 257 یونٹس کے خلاف چالان کر کے مقدمات ماحولیاتی ٹریبونل کو برائے کارروائی بھیج دیئے گئے ہیں۔وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف کی خصوصی ہدایت پر پنجاب کو آلودگی سے پاک صوبہ بنانے کیلئے تما م اضلاع میں بلا امتیاز کارروائیاں جاری ہیں۔حکومت پنجاب پولیتھین بیگز آرڈیننس 2002 کے تحت پہلے ہی ایسے پلاسٹک بیگزکی تیاری پر مکمل پابندی عائد کر چکی ہے۔محکمہ ماحول کی خصوصی ٹیموں نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں باقاعدگی سے مہم جاری رکھی ہوئی ہے جس کے دورس نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔

پلاسٹک بیگزکی تیاری کوروکنے کے لیے ضروری ہے کہ پلاسٹک بیگ کی کمپنیوں پر پابندی عائد کرکے جو کہ پنجاب حکومت کر بھی رہی ہے اس سے جڑے لوگوں کے لئے متبادل ذریعہ معاش کا انتظام کیا جائے۔ دوکانوں کے لئے ضرورت کے مطابق حکومتی سرپرستی میں کپڑے کے تھیلے بنائے جائیں جبکہ سبزی فروٹ وغیرہ کی خریداری کے لئے ٹوکریوں کا استعمال عمل میں لایا جائے۔ پلاسٹک کے کم استعمال سے ماحول کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ماحولیاتی آلودگی، اسباب اور حل کے لیے عوامی سطح پر

شعور و آگاہی کا انتظام کیا جائے۔اس کے علاوہ ہر پلاسٹک بیگ کے استعمال پر ٹیکس لگایا جائے تاکہ پلاسٹک بیگز کے استعمال میں کمی لائی جا سکے۔

صوبائی وزیر تحفظ ماحول بیگم ذکیہ شاہنواز کا کہنا ہے کہ ہماری روزمرہ زندگی میں پلاسٹک بیگ اگرچہ باکفایت سہولت پیدا کر رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بیگز انسانی صحت اور ماحول کے لئے انتہائی مضر ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء میں پلاسٹک بیگز کا بڑھتا ہوا استعمال کینسر سمیت دیگر موذی امراض کا باعث بن رہا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر حکومت پنجاب ماحول کو آلودگی سے پاک رکھنے اور اپنی آئندہ نسلوں کو محفوظ ماحول فراہم کرنے کے لئے پولیتھین بیگز کی مینوفیکچر نگ کی روک تھام کے لئے سنجیدہ اقدامات اٹھا رہی ہے۔ پنجاب کے تمام اضلاع میں روزانہ کی بنیاد پر تمام فیلڈ دفاتر میں پولیتھین بیگ بنانے والوں کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جا رہی ہے۔ جو آرڈیننس کی خلاف ورزی کے مرتکب پائے گئے، ان کے خلاف عدالتی کارروائی کی جا رہی ہے۔ ماحول کو آلودگی سے پاک رکھنے کے لئے سوشل میڈیا کے ذریعے بھی پولیتھین بیگز کے نقصانات اور ان کی تلفی سے متعلق احتیاطی تدابیر کی ترسیل کے ذریعے اہم کردار ادا کیا جا رہا ہے۔ اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے ہمیں پلاسٹک بیگ کی بجائے کپڑے کے بیگ کے استعمال کے رجحان کو فروغ دینا ہے تاکہ ہم اپنے بچوں کو متوقع بیماریوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ اس ضمن میں این جی اوز کا کردار بھی قابل ذکر ہے۔

پرنسپل انوائرمینٹل سائنسز ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹرسعید احمد قیصرانی کا کہناہے کہ پولیتھین بیگ یا لفافے وزن میں انتہائی ہلکے اور سستے ہوتے ہیں اور ہم انہیں کسی بھی طرح سے استعمال کرسکتے ہیں۔ ان ہی فائدوں کو دیکھ کر ہم ان کا بکثرت استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کے مضر اثرات کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ ان پلاسٹک بیگز کو استعمال کے بعد پھینک دیا جاتا ہے، لیکن یہ اپنی کیمیاوی خصوصیات کے باعث مٹی، پانی یا ہوا میں گلنے سڑنے کے بجائے ہمارے ماحول کے لئے مضر اور ضرر رساں بن جاتے ہیں۔ ادارہ صحت مند ماحول کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور آلودگی میں کمی کے لئے تعلیم و تحقیق کے ذریعے اپنا بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ہمارا ماحول عدم توجہی کے باعث انتہائی آلودہ ہوچکا ہے، جبکہ بے ہنگم ترقی اور اس کے ان دیکھے مضمرات بھی ہمارے ماحول کی آلودگی میں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ کیمیاوی اشیاء کا لاپرواہی سے استعمال اور اس کے نتیجے میں غلاظت کا پھیلنا، ہمارے ماحول کو آلودہ کرنے کا بڑا سبب ہے۔ ہماری لاپرواہی کے نتیجے میں پانی، ہوا، زمین اور اس پر بسنے والے چرند و پرند حیوانات اور انسان، یہاں تک کہ ہمارے درخت اور پودے بھی آلودگی کا شکار ہوچکے ہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں جتنی بھی غلاظت اور گندگی دیکھنے میں آتی ہے اسے مضر صحت نہ بننے دینا ہی آج ہمارا سب سے اہم چیلنج ہے۔ جب تک ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کو صحیح طور سے نہیں سمجھ پائیں گے، اسے آلودگیوں اور کثافتوں سے پاک و صاف نہیں رکھ پائیں گے۔ ہم

جس ماحول میں سانس لیتے ہیں ، جب تک اسی ماحول کو ان تمام اشیا اور آلائشوں سے پاک نہیں رکھیں گے جو کثافت پھیلانے کی ذمہ دار ہیں، تب تک ہمارا دم گھٹتا ہی جائے گا اور ہمارے لئے سانس لینا بھی دشوار بن جائے گا۔آلودگی سے پاک ماحول کی فراہمی کے لئے ضروری ہے کہ پولیتھین بیگز کے استعمال کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے، خصوصًا کالے پولی تھین بیگز کا استعمال تو فوری طور پر ترک کیا جائے، جس سے نہ صرف سیوریج نظام بری طرح متاثر ہوتا ہے، بلکہ ہوا کے دوش پر اڑتی ہوئی تھیلیاں شہر کی خوبصورتی کو متاثر کرتی ہیں۔ ان پولی تھین بیگز کے استعمال کی بجائے کپڑے یا کا غذکی تھیلیاں استعمال کرانے کا عوام میں شعور بیدار کیا جائے، اس سلسلے میں شہری اور غیر سرکاری تنظیمیں اپنی قومی ذمہ داری کے لئے کردار ادا کریں۔

جنرل امراض ماہر ڈاکٹر جاوید اقبال کا کہنا ہے کہ پولی تھین بیگز مضرصحت ہونے کے باوجود اسکا استعمال عام ہے جو باعث تشویش ہے، اس کے برے اثرات ہماری صحت کو متاثر کررہے ہیں۔ اگرپولی تھین بیگز کو جلایا جائے تو ان کا دھواں ہوا کو زہر آلودہ کردیتا ہے۔جس سے نہ صرف سانس کی بیماریاں پھیل رہی ہیں بلکہ اسکے دھوئیں سے لوگوں کو کینسر کا مرض بھی لاحق ہورہاہے جو ہماری آنکھوں، جلد اور نظام تنفس پر بری طرح سے اثر انداز ہوتا ہے اور یہی دھواں سردرد کا موجب بھی بنتا ہے جوکہ جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔مختصر یہ کہ کھانے پینے کی اشیا کی ترسیل کے لیے پلاسٹک بیگز کی حوصلہ شکنی کرنے کی ضرورت ہے نیزپولیتھین کا بے دریغ استعمال خواتین میں بڑھتے ہوئے بریسٹ کینسر کی اہم وجہ ہے اس لیے اس کے استعمال کو ترک کرنا ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

محکمہ تحفظ ماحولیات کے دپٹی ڈائریکٹر انجم ریاض کا کہناہے کہ شہریوں میں اشیائے خوردونوش کو پولی تھین تھیلیوں میں پیک کرنے کا رجحان بڑی تیزی سے بڑھ رہاہے جو انسانی و حیوانی حیات کیلئے زہر قاتل ہے ،سڑکوں ،گلیوں ،نالیوں اور کھلی جگہوں پر پھینکے گئے پولی تھین بیگز سے ما حولیاتی آلودگی میں بے پناہ اضافہ ہورہا ہے، یہ بیگز استعمال کے بعد پھینکنے کے باوجود اپنی کیمیائی خصوصیات اور اثر رکھنے کی وجہ سے مٹی ،پانی یا ہوا میں گلنے سڑنے کی بجائے ہمارے ماحول کو بری طرح آلودہ کررہے ہیں،شہر میں سیوریج نظام کی تباہی اور آئے دن نالیوں اور گٹر کے بند ہونے کا ایک بڑا سبب پولی تھین بیگ ہیں، یہ شاپنگ بیگ ہمارے ماحول پر خطرناک حد تک منفی اثرات مرتب کررہے ہیں، حکومت کوشش کررہی ہے کہ پولیتھین بیگز کے استعمال کی بجائے کپڑے یا کا غذکی تھیلیاں استعمال کرانے کا شعور عوام میں بیدار کیا جائے، اس سلسلے میں محکمہ تحفظ ماحولیات اپنی ذمہ داری کیلئے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔حا ل ہی میں ہمارے محکمہ نے بند روڈ کے علاقہ میں کارروائی کی جہاں بیگز فیکٹر ی میں پندرہ مائیکرون سے کم وزن پلاسٹک بیگز تیار کئے جارہے تھے۔نیزحکومت کی طرف سے کالے رنگ کے شاپربیگز اور ایسے پولی تھین بیگز جنکی موٹائی 15مائیکرون سے کم ہے انکی تیاری ،فروخت ،استعمال اور درآمد ممنوع قرار دی ہے کالے شاپر بیگز میں مضر صحت رنگ دیگر پولیتھین شاپر بیگز کی نسبت 2سے 3گنا زیادہ ہوتا ہے ان میں کھانے پینے کی گرم اشیاء کا استعمال صحت کیلئے انتہائی خطرناک ہے 15مائیکرون سے کم موٹائی کے پولیتھین بیگز پر پابندی کی وجہ ضائع شدہ پولیتھین بیگز کی ری سائیکلنگ کو فروغ دینا ہے کیونکہ 15مائیکرون سے کم موٹائی کے ضائع شدہ پولیتھین بیگز میں ان کے اپنے وزن سے زیادہ گردوغبار ہوتاہے اور اس طرح نہ صرف اسکی ری سائیکلنگ مہنگی ہے بلکہ مشکل ہے اور ری سائیکلنگ سے وابستہ کمپنیاں اور افراد اسے نہیں خریدتے جسکی وجہ سے یہ گلیاں ،بازاروں اور سالڈویسٹ میں جمع ہوکر آلودگی کا باعث بنتے ہیں پولی تھین ویسٹ نے آلودگی کے ساتھ ساتھ شہروں کا جمالیاتی حسن بھی تباہ کرکھا ہے بلکہ سیورج سسٹم کی تباہی اور اُوورفلو کا باعث بھی ہیں کھلے عام پڑے پولی تھین بیگز بارش وغیرہ کا پانی سٹور کر کے ڈینگی مچھر کی افزائش کا باعث بھی بنتے ہیں نیز یہ فصلوں کی جڑوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جن کی وجہ سے پیداوار میں کمی ہوتی ہے کئی ممالک میں ان کے استعما ل پر پابندی عائد ہے مختلف ممالک میں ان کی وجہ سے سیورج سسٹم کے مسائل انتہائی شدت اختیار کر گئے تھے جس کی وجہ سے وہاں پر ان کے استعمال پر پابندی عائد کی گئی وہاں عوام پٹ سن کے تھیلے استعمال کرتے ہیں۔ آلودگی سے پاک ماحول کی فراہمی کیلئے ضروری ہے کہ پولیتھین بیگز کے استعمال کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے، خصوصًا کالے پولی تھین بیگز کا استعمال تو فوری طور پر ترک کیا جائے۔نیزہم سب کی ذمہ داری ہے پلاسٹک کی بجائے کپڑے کے تھیلے استعمال کریں اگر اس پر کنٹرول نہ کیا گیا تو ماحول کو آلودہ ہونے اور فصلات کو تباہ ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ فصلات کے تباہ ہونے کا مطلب غذائی قلت کا سامنا یقینی ہے اسی طرح پولیتھین بیگز کی وجہ سے جہاں سیورج سسٹم متاثرہورہا ہے وہیں ہمیں صاف پانی کی قلت بھی نظر آرہی ہے۔اس کے حوالے سے محکمہ دو طرح سے اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے ،اول ،2002آرڈنینس کے مطابق جوفیکٹری 15مائیکرون سے کم موٹائی کے پولیتھین بیگز تیار کرتی اس کے خلاف کریک ڈاؤن کیا جاتاہے۔ہمارے محکمے کی کارروائی کے نتیجہ میں اس وقت معتدد کیسز عدالت میں چل رہے ہیں اور قانون یہ ہے کہ کالے اور 15مائیکرون سے کم موٹائی والے شاپنگ بیگز کی تیاری ،فروخت ،استعمال اور درآمد ممنوع اور قانونا جرم ہے ،اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو 50ہزار روپے جرمانہ اور3ماہ قید یا دونوں سزائیں اکٹھی ہو سکتی ہیں اور دوسرا بینرز اورسوشل میڈیا کے ذریعے اس کے استعمال سے منع کیا جاتا اور لوگوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ کپڑے اور کاغذ کے بیگز استعمال کریں اور ماحول کو صاف بنائیں۔

§§§

جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اہمیت!

مصنف: یوسف

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کردہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت جنگلات بھی ہیں۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بنائی عالیشان جنتوں میں باغات اور نباتات کا خصوصی ذکر ملتاہے ۔لمبے اور گھنے سائے والے درخت ،ان کے سائے اور ان سے پیدا ہونے پھلوں اور میوؤں کو اللہ نے جنت کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں بیان کیا ہے ۔

پاکستان سمیت دنیا بھر میں ہر سال 21 مارچ کو جنگلات کا عالمی دن منایا جاتا ہے،جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اور زرعی اہمیت کا تعین کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی اسمبلی میں جنگلات کا عالمی دن منانے کی قرارداد پیش کی گئی اس دن کے منانے کا مقصد جنگلات کو ترقی دینا ۔ جنگلات اور اس سے حا صل ہو نے والے فوائد سے معاشرے میں شعور اجا گر کرنا ہے۔جنگلات کے کٹاؤسے ہونے والے نقصان کی آگاہی دینا ۔

گزشتہ چند سال میں جنگلات کا رقبہ ساٹھ فیصد سے کم ہو کر تیس فیصد رہ گیا ہے ۔جنگلات کی روز بروز کمی کے باعث اوزون کی تہہ باریک ہوتی جارہی ہے اورزمین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے ۔اس لئے جنگلات کے تحفظ کے لئے تحریکیں چلائی جارہی ہیں ۔جنگلات نہ صرف انسانوں بلکہ چرند پرند اور جانوروں کی بقاء کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ملک کی متوازن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بیس فیصد رقبے پر جنگلات ہوں۔لیکن سرکاری اعداد وشمار کے مطابق پاکستان کے کل رقبے کا صرف لگ بھگ پانچ فیصد جنگلات پر مشتمل ہے ۔ جبکہ غیر سرکاری حلقوں کے مطابق پاکستان کے پاس صرف تین فیصد جنگلات باقی ہیں۔ ان میں سے بھی ہر سال قریباً اکتالیس ہزار ہیکٹر جنگل غائب ہو رہا ہے ۔ اس میں آگ، کیڑے مکوڑوں اور نباتاتی بیماریوں کا قصور صرف چھ فیصد ہے ۔ بقیہ94 فیصد جنگل کی صفائی کے ذمہ دار کمرشل اور نان کمرشل، قانونی و غیر قانونی انسانی ہاتھ ہیں۔اگرچہ حکومت اپنے اعداد و شمار کے ذریعے یہ ثابت کرنے پر مصر ہے کہ گذشتہ دس برسوں میں جنگلات پر مبنی کل رقبہ چار اعشاریہ آٹھ سے بڑھ کر پانچ اعشاریہ صفر ایک فیصد ہوگیا ہے ۔

پاکستان میں دیگر مسائل کے علاوہ جنگلات کی کمی بھی ایک مسئلہ ہے ۔ جنگلات کی کمی ہونے کی وجہ سے روز بروز آلودگی میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ تو دوسری طرف ٹمبر مافیا بھی اپنا کردار نبھانے میں سرگرم ہیں۔ جنگلات میں کمی کرنے میں ٹمبر مافیا خاطر خواہ کردار ادا کر رہے ہیں۔جنگلات کی قیمتی لکڑی کو مفت اور چوری کاٹ کر بازاروں میں جا بیچتے ہیں۔ ٹمبر مافیا کی ان حرکات کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے ۔

لہٰذا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ٹمبر مافیا کو روکنے کیلئے حکومت سخت قانون بنائے (قانون تو موجود ہیں ان کا نفاذ یقینی بنائے) جنگلات کسی بھی ملک کی معیشت کا لازمی جز ہیں۔ملک کی متوازن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فیصد رقبے پر جنگلات ہوں۔جنگلات قدرتی وسائل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔پاکستان میں جنگلات کاکل رقبہ42,240 کلومیٹر ہے جوکہ05.31% بنتا ہے پاکستان میں جنگلات کا رقبہ اس لئے بھی کم ہورہا ہے کہ یہاں پر جنگلات کو بے رحمانہ طریقے سے کاٹا جارہا ہے ۔ مکانات کی تعمیر کے لئے جنگلات کی زمین کو استعمال کی جارہا ہے اور پھر ہر سال دریا بھی کٹاؤ کا کام کررہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جنگلات کے اگانے کے لئے مزید زمین مختص کی جائے اور درختوں کی غیر ضروری کٹائی کو بند کیا جائے ۔

جنگلات ملک کے اہم وسائل میں سے ایک ہیں اور یہ اس ملک کی عمارتی لکڑی اور جڑی بوٹیوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔جنگلات زمین کی زرخیزی قائم رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔جنگلات درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھتے ہیں اور اطراف کے موسم کو خاص طور پر خوشگوار بناتے ہیں۔جنگلات سے حاصل شدہ جڑی بوٹیاں ادوایات میں استعمال ہوتی ہیں۔جنگلات جنگلی حیات کا ذریعہ اورسبب ہیں۔بے شمار جنگلی جانور یعنی شیر، چیتا، اور ہرن وغیرہ جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔جنگلات جلائے جانے والی لکڑی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔جنگلات زمین کے حسن و دلفریبی میں اضافہ کرتے ہیں۔جنگلات بہت سے وسائل کا ذریعہ اور ماخذ ہیں۔مثلاً جنگلات سے حاصل کردہ لکڑی فرنیچر، کاغذ، ماچس اور کھیلوں کا سامان تیار کرنے میں استعمال ہوتی ہیں۔جنگلات پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کو تیزی سے پگھلنے سے روکتے ہیں اور زمین کے کٹاؤ پر بھی قابو رکھتے ہیں۔

جنگلات انسانوں اور قدرتی نباتات کو تیز رفتار آندھیوں اور طوفان کی تباہی اور بربادی سے محفوظ رکھتے ہیں۔جنگلات فضاء میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار کو بڑھنے نہیں دیتے کیوں کہ انہیں خود اس گیس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ آکسیجن خارج کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے لازمی ہے ۔بھیڑ، بکری، اونٹ جیسے حیوانات اور سینکڑوں جنگلی جانور اپنی غذا ان ہی جنگلات سے حاصل کرتے ہیں۔جنگلات تفریحی مقامات کے کام آتے ہیں اور لوگ ان کے خوبصورت ،حسین مناظر سے لطف اندوزہوتے ہیں۔جنگلات مختلف اقسام کے جانوروں اور پرندوں کی افزائش اور نشونما کا ذریعہ بنتے ہیں انسان آج انہی درختوں کا سب سے بڑا دشمن بن چکا ہے ،جی ہاں،وہی درخت اپنے قاتل اسی انسان کی بے شمار ضروریات پورا کرتے ہیں۔اگر ان نباتات کو زمین سے خارج کیاجائے و انسانی زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں ۔یہی درخت جہاں ماحول کو خوبصورت بناتے ہیں، وہیں ہوا کو صاف رکھنے ، آندھی اور طوفانوں کا زور کم کرنے ، آبی کٹاؤ روکنے ، آکسیجن میں اضافے اور آب و ہوا کا توازن برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ماحولیاتی آلودگی موجودہ دور کا ایک گمبھیر مسئلہ ہے تودرخت ہی اس پیچیدہ مسئلے کا ایک اچھا اور آسان ترین حل ہیں۔

اب ہمارے جنگلات صرف بمشکل تک4فیصد رہ گئے ہیں۔اس کا خوفناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارے ملک میں اب وہ سلسلہ وار بارشیں بہت حد تک ختم ہو کر رہ گئی ہیں،جن پر ہماری زراعت کا سب سے زیادہ انحصار تھا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بھارت نے دریائے راوی کا پانی مکمل بند کر دیا تو علاقہ بنجر ہو گیا ۔

حکومت کو بھارتی آبی دہشت گردی کے سدباب کے ساتھ ساتھ پاکستان بھر میں ان مٹتے جنگلات کو بچانے کی فوری تدبیرکرنی چاہیے ۔پاکستانی قانون میں اگرچہ کاغذات کی حد تک جنگلات کے کٹاؤکے خلاف پابندی بھی عائدہے ، لیکن اس کی کسی کو پروانہیں۔اصل میں جنگلات کے کٹاؤ،اور

ان درختوں کے جو نہروں ،دریاؤں،سڑکوں کے کنارے لگائے جاتے تھے ،وہ افراد ہی ملوث ہیں ،جو ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ، پاکستان کے جنگلات اور ملک کے باقی درختوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔و زیر اعظم جناب نواز شریف کے ساتھ چاروں وزرائے اعلیٰ سے عالمی یوم جنگلات کے موقع پر گزارش ہے کہ اس مسئلے کی بھی فوری نوٹس لیں ۔ شجر کاری کی زیادہ سے زیادہ مہم چلائیں اس سلسلے میں عوام کو بھی بھر پور کردار ادا کرنا چاہئے ۔

§§§

شوگر مافیا کا عروج اور کپاس کا زوال

مصنف: یوسف

کپاس ہمارے ملک کی ایک اہم نقد آور فصل ہے جس کا جی ڈی پی میں حصہ 1.7فیصد ہے۔ٹیکسٹائل کے شعبے میں کپاس کا مرکزی کردار ہے اورٹیکسٹائل انڈسٹری نہ صرف ہمارے 66 فیصد برآمدات کا احاطہ کرتی ہے بلکہ 40 فیصد مزدوروں کو روزگار بھی فراہم کرتی ہے۔ملکی آب و ہوا کپاس کے لیے ساز گار ہونے کے باعث پاکستان عرصہ دراز سے کپاس کی پیداوار کے لحاظ سے دنیا کے پانچ بڑے ممالک میں شامل رہا ہے لیکن گزشتہ پانچ سالوں میں کپاس کی پیداوار میں تشویشناک حد تک کمی نے ملکی معیشت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔پاکستان میں گذشتہ برس کپاس کی فصل خاصی بہتر رہی اور 14.6 ملین گانٹھیں حاصل ہوئیں ،لیکن مجموعی طور پر کپاس کی پیداوار میں30فیصد کمی واقع ہوئی جس کی وجہ سے ملکی معیشت کو 5فیصد نقصان کا سامنا رہا۔کپاس کی پیداوار تخمینہ سے کم ہونے کے باعث کپاس کے متوقع بحران سے نمٹنے کے لیے رواں سال 15 لاکھ گانٹھوں کے لگ بھگ بیرون ممالک سے روئی کے درآمدی معاہدے کرلیے گئے ہیں ۔کپاس کی پیداوار میں عالمی شہرت کے حامل ملک کے لیے اربوں روپے کپاس کی درآمد پر خرچ کرنا حکومت کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

موسمی تغیرات اورہر سال بیماریوں کے حملے کے علاوہ کپاس کے زیر کاشت رقبہ میں بتدریج ہونے والی کمی کپاس کی پیداوار میں کمی کی بڑی وجہ ہے۔ سینٹرل کاٹن ریسرچ انسٹیٹیوٹ ملتان کے مطابق حالیہ سیزن میں کپاس کے زیرکاشت رقبہ میں کمی کا بنیادی سبب گنے کے زیرکاشت رقبہ میں ہونے والا اضافہ ہے۔ ادارے کی طرف سے جاری کردہ رپورٹ کے مطابق گزشتہ سال صوبہ پنجاب میں 15 لاکھ ایکڑ رقبہ پر گنے کی فصل کاشت کی گئی تھی، جبکہ رواں سال گنے کا زیر کاشت رقبہ بڑھ کر 18 لاکھ ایکڑ ہوگیا ہے۔گزشتہ سال کپاس کے زیر کاشت رقبہ میں پنجاب میں 21فیصد کمی اور ملک بھر کے مجموعی زیر کاشت رقبہ میں 15فیصد کمی ہوگئی جوکپاس کی پیداوار میں کمی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

ملکی پیداوار کے لحاظ سے صوبہ پنجاب میں کپاس کی کاشت کا رقبہ 80 فیصد ہے۔کپاس کی فصل پر کیڑوں کے حملے سے بچا کے لیے حکومت نے محکمہ زراعت کی ہدایات پرصوبہ پنجاب میں کپاس کی قبل از وقت بوائی پر دفعہ 144 نافذکردی ہے۔اگیتی کاشت پر پابندی کی وجہ سے کاشتکارکپاس کی بوائی کے لیے 15 اپریل تک انتظار کرنے کے بجائے کماد کی بوائی کی طرف راغب ہورہے ہیں ۔کاشت کاروں کی ایک قابل ذکر تعداد اس حکومتی اقدام کو © ©"کاٹن بیلٹ"میں شوگر ملز لگانے والے مافیا کماد کاشت کو فروغ دلوانے کی سازش قرار دے رہے ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ چند برسوں سے کماد کے بڑھتے ہوئے زیر کاشت رقبہ نے کپاس کی پیداوار کو شدید متاثر کیا ہے۔کماد گرم مرطوب علاقے کی فصل ہے اور پنجاب گرم خشک علاقہ ہے یہاں اوسط سالانہ بارش بھی کم ہوتی ہے۔امریکہ کی سٹینفورڈ یونیورسٹی کے محققین کے مطابق جس خطہ میں کماد کی فصل کاشت کی جائے وہاں درجہ حرارت کم اور آب و ہوا مرطوب ہوجاتی ہے۔پاکستان میں کپاس کے کی کاشت کے لیے سازگار سمجھے جانے والے علاقوں میںکماد کاشت کرنے کی وجہ سے فضا میں نمی کا تناسب بڑھ چکا ہے جس کی وجہ سے آب و ہوا گرم مرطوب ہوچکی ہے۔چونکہ کپاس کی فصل کے لیے گرم خشک آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے اس فصل پر ہر سال نت نئی خطرناک بیماریوں کا حملہ معمول بن چکا ہے۔

کپاس کے پیداواری علاقوں میں کماد کی کاشت کے فروغ کے لیے سرگرم عمل مافیا اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ پاکستان میں کماد کی فی ایکڑ اوسط پیداوار 639من ہے جو کہ دیگر ممالک سے کئی گنا کم ہے۔مصر،جنوبی افریقہ، آسٹریلیا، انڈونیشیا اور ملائشیا میں فی ایکڑ اوسط پیداوار 1800من سے زائد ہے جبکہ ہمارے ہمسایہ ممالک چین، بھارت اور بنگلہ دیش بھی اس دوڑ میں ہم سے کئی گنا آگے ہیں۔ کماد کی فصل 12 سے 16 ماہ میں تیار ہوتی ہے اور اس کے لیے اوسطًا 78 انچ فی ایکڑ پانی درکار ہوتا ہے۔جبکہ اس کے مقابلے میں دیگر مقامی فصلوں کے لیے پانی کی ضرورت کا جائزہ لیں تو کپاس اوسطًا 39 انچ فی ایکڑ، مکئی 35 انچ فی ایکڑ، گند م ،جوار اور باجرہ 21 انچ فی ایکڑ پا نی سے تیار ہوجاتی ہیں۔اعدادو شمار سے واضح ہوتا ہے کہ کماد کی فصل کو باقی تمام فصلوں کی نسبت تین گنا زیادہ پانی کی ضرورت ہے لیکن اس کے باوجود ہر سال کماد کے زیر کاشت رقبہ میں اضافہ کر کے ملک کو پانی کے بحران میں دھکیلنے کی سازش کی جارہی ہے۔اگر کماد کے زیر کاشت رقبہ کو محدود کر دیا جائے تو جہاں کپاس کی پیداوار میں اضافہ ہوگا وہاں ایک کثیر رقبہ پر اس دورانیہ میں گندم کی دو فصلیں کاشت کی جا سکتی ہیں جس کی وجہ سے پاکستان گندم میں خود کفیل ہوجائے گا۔

کسانوں کی کسمپرسی ملاحظہ کیجیے کہ چینی کی کم قیمتوں کی وجہ سے گنے کے کاشتکاروں کو اپنی فصل شوگر انڈسٹری کے صنعت کاروں کے رحم وکرم پر چھوڑنی پڑتی ہے۔بااثر افراد پر مشتمل شوگر ملز مافیا بیک وقت کم قیمت پر گنا خرید کر اور کسانوں کو مہنگے داموں چینی فروخت کر کے ان کا استحصال کر رہا ہے۔ کسانوں کو گنے کی مناسب قیمت نہیں دی جاتی بلکہ معمولی قیمت کی ادائیگی کے لیے بھی مہینوں تک محروم رکھا جاتا ہے۔شوگر ملز کروڑوں روپوں کی نادہندہ ہیں کیوں کہ بیشتر شوگر ملیں حکمرانوں اور سیاسی راہنما ں کی ذاتی ملکیت ہیں۔اعداد و شمار کے مطابق اس وقت پاکستان میں کل 85شوگرملز میں سے آدھی سیاستدانوں کی ملکیت ہیں۔ پنجاب میں شریف خاندان کی 9شوگرملزہیں جبکہ سندھ میں چار شوگرملززرداری خاندان کی ملکیت ہیںاور ایک شوگر مل ذوالفقار مرز ا کی ملکیت ہے۔ آئی ایس آئی کے سابق ڈی جی اختر عبدالرحمان کے دوصاحبزادوں ہارون اختر اور ہمایوں اختر کی دوشوگرملز ہیں ۔ تحریک انصاف کے مرکزی رہنماءجہانگیر خان ترین کی دوشوگرملزاورسابق چیئرمین پی سی بی ذکاءاشرف ایک شوگر مل کے مالک ہیں ۔ سابق وفاقی وزیرعباس سرفراز خیبر پختونخوا میں موجود8 میں سے 4 شوگر ملز کے مالک ہیں۔اسی طرح اس کے علاوہ مخدوم احمد محمود ، نصراللہ دریشک ، چوہدری شجاعت حسین ،چوہدری پرویزالٰہی اور میاں اظہرسمیت کئی سیاستدان اور خاندان شوگر ملز کے مالک ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ ٹیکسٹائل ملزکی نسبت شوگر مافیازیادہ طاقتور ہے اور کپاس کی کاشت کرنے کے بجائے کماد کو ترجیح دیتے ہوئے ملکی معیشت کو تباہ کیا جارہا ہے۔

موجودہ حالات میں کپاس کی پیداوار میں اضافہ کے لیے حکومت کو انقلابی اقدامات کرنے کی اشد ضرورت ہے۔کپاس کی پیداوار کے لیے موزوں علاقوں بالخصوص جنوبی پنجاب میں کماد کی کاشت ، شوگر ملز کی منتقلی اور نئی شوگر ملز لگانے پر پابندی عائدہونی چاہیے ۔کماد کی فصل کے طویل دورانیہ اور پانی کی زیادہ ضرورت کی وجہ سے دنیا بھر میں چقندر کو چینی کے بہترین ذریعے کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔پاکستان میں خیبر پختونخواہ،سندھ او ر پنجاب کے کچھ اضلاع کی آب و ہوا چقندر کی کاشت کے لیے سازگار ہے۔چقندر کی فصل جلد تیار ہوجاتی ہے اور پاکستان میں اس کی اوسط پیداوار بھی زیادہ ہے اس لیے اسے چینی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے چقندر کی کاشت کوکماد کے متبادل کے طور پر فروغ دیا جانا چاہیے۔

§§§

اردو ادب کاایک نام۔ ابن انشاء

مصنف: یوسف

اردو ادب کے مایہ ناز شاعر ، ادیب ابن انشاء کا اصلی نام شیر محمد خان تھالیکن ابن انشا ء کے نام سے مشہور ہوئے ۔ 15 جون 1927 ء کوجالندھر کے ایک نواحی گاؤں کے راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ والد کا نام منشی خان تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے سکول میں، مڈل نزدیکی گاؤں کے سکول سے اور 1941ء میں گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ،میٹرک میں اول پوزیشن حاصل کی ۔ابن انشا ء کوصحافت ،علم و ادب سے دلچسپی تھی، اس وقت " نوائے وقت " ہفت روزہ تھا ،حمید نظامی صاحب سے خط و کتابت تھی، انہوں نے ایک خط میں مجید نظامی صاحب (مرحوم) سے لاہور آ کر "نوائے وقت" میں ملازمت اختیار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حمید نظامی کے مشورے پر ابن انشا ء لاہور آ گئے اور اسلامیہ کالج لاہور میں فرسٹ ایئر میں داخلہ لے لیا، ان کی رہائش کا بندوبست جناب حمید نظامی نے کیا مگر تین مہینے کے مختصر قیام کے بعد ابن انشاء اپنی طبیعت کے مطابق اور کچھ دیگر وجوہات کے سبب تعلیم ادھوری چھوڑ کر لدھیانہ چلے گئے ۔

وہاں بھی بھنورے نے کہاں رہنا تھا، لدھیانہ سے انبالہ چلے گئے، وہاں ملٹری اوکاونٹس کے دفتر میں ملازمت اختیار کرلی ۔لیکن جلد ہی یہ ملازمت بھی چھوڑ دی اور دلی چلے گئے ۔ اس دوران میں آپ نے ادیب فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد پرائیویٹ طور پر بی اے کا امتحان پاس کرلیاتھا۔ابن انشا ء ذہین تھے ،تھوڑے عرصے بعد انہیں اسمبلی ہاوس میں مترجم کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ بعد از اں آل انڈیا ریڈیو کے نیوز سیکشن میں خبروں کے انگریزی بلیٹن کے اردو ترجمے پر مامور ہوئے اور قیام پاکستان تک وہ آل انڈیا ریڈیو ہی سے وابستہ رہے ۔آپ کی پہلی شادی 1941ء میں لدھیانہ میں عزیزہ بی بی سے ہوئی، عزیزہ بی بی سے ا بن انشا ء کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی، بعد از اں گھریلو ناچاکی کے سبب دونوں کی طبیعت میں فرق کے سبب عزیزہ بی بی اورابن انشا ء میں علیحدگی ہو گئی، مگر طلاق نہ ہوئی، لہٰذا عزیزہ بی بی نے باقی تمام عمر ان کی بیوی کی حیثیت ہی سے زندگی بسر کی لیکن ان سے الگ رہیں۔

جب پاکستان بنا تو ابن انشاء اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہجرت کرکے پاکستان آ گئے اور لاہور میں رہائش اختیار کر لی، انڈیا میں ریڈیو سے منسلک رہے تھے، اس لیے بھاگ دوڑ کر کے 1949ء میں وہ ریڈیو پاکستان کراچی کے نیوز سیکشن سے بطور مترجم منسلک ہوئے ۔کام کے سلسلے میں کراچی جانا ہوا، اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے اردو کالج کراچی میں 1951ء میں ایم اے اردو کی شام کی جماعتوں میں داخلہ لے لیا اور 1953ء میں ایم اے کا امتحان کیا پہلی پوزیشن حاصل کی۔

ایم اے کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کیلئے تحقیقی کام کرنے کا سوچا بھاگ دوڑ کر کے مارچ 1954ء میں بعنوان (اردو نظام کا تاریخی و تنقیدی جائزہ (آغاز تا حال) کا مقالہ ملا مگر وہ اپنے اس مقالے کو مکمل نہ کر سکے کچھ عرصہ کراچی میں گزارنے کے بعد لاہور تشریف لے آئے۔دور جدید کے مسائل سے بھی ابن انشاء آگاہ تھے ،اس کے لیے کالم نگاری کا راستہ اختیار کیا ۔ وہ مختلف اخباروں کے لیے بڑی پابندی سے کالم لکھا کرتے تھے اور اپنی بے باک رائے پیش کیا کرتے تھے۔کالم نگاری آخری عمر تک جاری رہی ۔

ابن انشا ء نے 1960ء میں روزنامہ ''امروز'' کراچی میں درویش دمشقی کے نام سے کالم لکھنا شروع کیا۔ 1965ء میں روزنامہ ''انجام'' کراچی اور 1966ء میں روزنامہ جنگ سے وابستہ گی اختیار کی جو ان کی وفات تک جاری رہی۔دو شعری مجموعے ، چاند نگر اور اس بستی کے کوچے میں 1976ء شائع ہوچکے ہیں۔ 1960ء میں چینی نظموں کا منظوم اردو ترجمہ (چینی نظمیں) شائع ہوا۔

کیا جھگڑا سود خسارے کاا

یہ کاج نہیں بنجارے کا

تم ایک مجھے بہتیری ہو

اِک بار کہو تم میری ہو

ابن انشا ء 1962 ء میں نیشنل بک کونسل کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے ۔ اس کے علاوہ ٹوکیو بک ڈویلپمنٹ پروگریم کے وائس چیرمین اور ایشین کو پیلی کیشن پروگریم ٹوکیو کی مرکزی مجلس ادارت کے رکن بھی مقرر ہوئے ۔ 1969ء میں آپ نے دوسری شادی کی دوسری بیگم کا نام شکیلہ بیگم تھا۔ دوسری بیوی سے آپ کے دو بیٹے سعدی اور رومی پیدا ہوئے ۔کسی حد تک یہ پسند کی شادی تھی ۔ابن انشا ء کی شاعری میں ایک جادو ہے۔ان کی بات ہی الگ ہے ۔کیا کمال کا شاعر تھا اور کیا کمال کی شاعری ہے ۔

دل ہجر کے درد سے بوجھل ہے ، اب آن ملو تو بہتر ہو

اس بات سے ہم کو کیا مطلب، یہ کیسے ہو، یہ کیونکر ہو

انشاء جی اب اجنبیوں میں چین سے باقی عمر کٹے

جن کی خاطر بستی چھوڑی نام نہ لو اُن پیاروں کا

ان کی چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں ۔آوارہ گرد کی ڈائری ۔دنیا گول ہے ۔ابن بطوطہ کے تعاقب میں۔چلتے ہو تو چین کو چلئے ۔نگری نگری پھرا مسافر۔آپ سے کیا پردہ ۔خمار گندم۔اردو کی آخری کتاب ۔خط انشا جی کے۔اس کے علاوہ آپ نے متعدد تراجم بھی کیے (اندھا کنواں اور دیگر پر اسرار کہانیاں ۔مجبور۔ لاکھوں کا شہر۔ شہر پناہ چینی نظمیں ، سانس کی پھانس، وہ بیضوی تصویر، ، عطر فروش دوشیزہ کے قتل کامعمہ، قصہ ایک کنوارے کا۔کارنامے ناب تیس مار خان کے ۔ شلجم کیسے اکھڑا بچوں کیلئے ایک پرانی روسی کہانی کا ترجمہ۔ یہ بچہ کس کا بچہ ہے ؟ ۔قصہ دم کٹے چوہے کا ۔ میں دوڑتا ہی دوڑتا''اختر کی یاد میں'' اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کی سندھی شاعری کا اردو ترجمہ بھی کرنے کا بھی اعزار ابن انشا ء نے ہی حاصل کیا۔

انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو، اس شہر میں جی کو لگانا کیا

وحشی کو سکوں سے کیا مطلب، جوگی کا نگر میں ٹھکانہ کیا

انشا ء جی اٹھو اب کوچ کرو نظم کہنے کے ایک ماہ بعد ابن انشاء کی وفات ہوئی ۔اردو ادب کا یہ بے حد مقبول و اہم شاعر و ادیب ،مزاح نگار، جس نے اپنی زندگی کے زیادہ تر ایام حالانکہ اپنے شہر کراچی ، لاہور یعنی پاکستان میں گزارے ، مگر جب اجل کا وقت قریب آیا تو وہ اپنے وطن سے سات سمندر پار انگلستان میں مقیم تھے ۔وہیں انہوں نے 11 جنوری 1978ء کو لندن میں وفات پائی اور پاپوش نگر قبرستان،کراچی میں آسودہ خاک ہیں۔یہ عظیم شاعر و ادیب افسانہ نگار ابن انشاء جسمانی طور پر ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہوگیا ۔ اس دنیا سے رخصت ہوئے 39 برس بیت گئے ہیں مگر وہ اپنی تخلیقات کے ذریعہ آج بھی زندہ ہے۔

جب دیکھ لیاہر شخص یہاں ہرجائی ہے

اِس شہر سے دور

اِک کٹیا ہم نے بنائی ہے

اس اس کٹیا کے ماتھے پر لکھوایا ہے

سب مایا ہے۔۔۔!!!

§§§

اپریل فول ،جھوٹ کا عالمی دن !

مصنف: یوسف

یکم اپریل کو جھوٹ کا دن منانے کے بارے میں مختلف قسم کے واقعات ملتے ہیں،جس سے علم ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا ء کیسے ہوئی ۔ اپریل لاطینی زبان کے لفظ اپریلس یا اپرائر سے ماخوذ ہے ۔ مطلب ہے پھولوں کا کھلنا ، قدیم رومی قوم موسم بہار کی آمد پر شراب کے دیوتا کی یا دیوی کی پرستش کرتی اور اسے خوش کرنے کے لئے اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے،ترنگ میں آتے اور جھوٹ بولتے۔ آگے چل کر یہ دن اپریل فول کہلایا ۔اپریل فول 1508 ء سے1539 ء تک صرف یورپ میں منایا جاتا تھا اور اٹھارویں صدی میں برطانیہ میں منانے لگے اور اب چند سالوں سے پوری دنیا میں جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔

اپریل فول کا تذکرہ سب سے پہلے ایک انگریزی اخبار ڈریک نیوز لیٹر سے ملتا ہے یکم اپریل 1846ء کو اپریل فول کے موقع پر یورپ میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک اہم اور مشہور واقعہ یہ ہے کہ 31مارچ کو ایک انگریزی اخبار میں یہ خبر آئی کہ کل شہر کے زراعتی فارم پر گدھوں کی عام نمائش ہوگی اور میلہ ہو گا تو لوگ خوش و خرم وہاں جمع ہوئے اور نمائش کا انتظار کرنے لگے ۔ جب لوگ انتظار کر کر کے تھک گئے تو پوچھنے پر بتایا گیا کہ جو لوگ نمائش دیکھنے آئے ہیں وہی گدھے ہیں۔ ایسے بے شمار واقعات ہیں جن کو ہر سال 2 اپریل کی اخبارات میں دیکھا جا سکتا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس دن جھوٹ بول کر کیسے لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے ۔ اگر اسلامی نقطہ نظر سے دیکھیں تو اپریل فول منانا جائز نہیں ہے ۔کیونکہ اسلامی تعلیمات میں جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے، جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہے،یہ منافقت کی نشانی ہے،اور اپریل فول میں تو ایک تو جھوٹ بولا جاتا ہے اوپر سے اس پر فخر بھی کیا جاتا ہے ۔اس کی خوشی منائی جاتی ہے۔

اس رسم اپریل فول میں جھوٹ بولا جاتا ہے دوسروں کا مذاق اڑایا جاتا ہے،دھوکہ دیا جاتا ہے،غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کی جاتی ہے ،تکبر کیا جاتا ہے ۔جھوٹ بول کر دوسروں کو پریشان کیا جاتا ہے ۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ سچ بولنا نیکی ہے اور نیکی جنت لے جاتی ہے اور جھوٹ بولنا گناہ ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے ۔

دوسری حدیث میں ہے جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے ۔ تیسری حدیث میں ہے کہ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر حرام ہے ۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کے شرانگیز ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کسی مسلمان بھائی کو حقیر جان لے ۔مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں ڈھاتا وہ اسے رسوا نہیں کرتا اور نہ وہ اسے حقیر جانتا ہے ۔اور یہ سب برائیاں ایک اپریل فول منانے میں موجود ہیں ۔

اس دن کومنانے سے دشمنانِ اسلام کی خوشیوں میں شرکت کا گمان ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر انسان گناہِ کبیرہ یعنی جھوٹ کا مرتکب ہوتاہے ۔اب رہ گئی پاکستان معاشرے کی بات کہ اس میں اس جھوٹ کے عالمی دن کو کیوں منایا جاتا ہے ۔اس کی بہت سی وجوہات ہیں ۔مختصر یہ کہ خوشی کے لیے ،حالانکہ جھوٹ بول کر خوشی منانے کا کیا جواز ہے ،لیکن ہمارے معاشرے میں جھوٹ بول کر ہی خوشی منائی جاتی ہے ،روزی روٹی کمائی جاتی ہے ،کاروبار کیے جاتے ہیں سیاست و صحافت چمکائی جاتی ہے ۔دوسروں کو بے وقوف بنا کر ہم لذت حاصل کرتے ہیں ،خوشی حاصل کرتے ہیں ۔یہ بھی کہنا ہے کہ جھوٹ بولنا اب ہمارے معاشرے میں گنا ہ ہی نہیں سمجھا جاتا ۔حالانکہ صادق ﷺ کے ایک فرمان کا مفہوم ہے کہ مسلمان گناہ گار ہو سکتا ہے لیکن وہ جھوٹ نہیں بول سکتا ۔ہمارے سیاست دان روز ہم سے جھوٹ بولتے ہیں یعنی روز ہمارے ساتھ اپریل فول مناتے ہیں ۔

اسی طرح ہمارے صحافی بھائی ،اینکر پرسن،کالم نویس ،بھی ہر روزہم عوام کے ساتھ اپریل فول مناتے ہیں ،اس کو چھوڑیں عوام بھی جہاں جہاں بس چلتا ہے ایک دوسرے سے ہر روز اپریل فول مناتی ہے ،عام آدمی بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ اب مجھے یاد نہیں ہے لیکن کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ پاکستان میں سب سے زیادہ جھوٹ بولا جاتا ہے ۔

جس نے یہ رپورٹ لکھی تھی اسے شائد علم نہیں تھا کہ پاکستانی جھوٹ بول کر خوش بھی ہوتے ہیں اس لیے پاکستانیوں کے لیے تو ہر دن ہی اپریل فول ہے۔ دو نمبر مال دے کر ،زیادہ پیسے لے کر ،ملاوٹ والی چیزیں بیچ کر ،جھوٹے مقدمات بنا کر ،ایک دوسرے سے ہر روز اپریل فول ہی مناتے ہیں ۔

اس لیے یہ دن ان کو منانا چاہیے جہاں جھوٹ نہیں بولا جاتا چلو ایک دن جھوٹ بول کر دل پشوری کر لیں۔اور یہ حقیت بھی ہے کہ جن کی نقل میں ہم اپریل فول مناتے ہیں وہ کم جھوٹ بولتے ہیں ۔پاکستان میں تو اس دن کو منانا اس دن کی توہین ہے ۔کیونکہ یہاں تو ہر روز منایا جاتا ہے،سب سے منایا جاتا ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ مغرب خصوصاً اہل یورپ افرادِ معاشرہ کے ساتھ عملی مذاق اور دوسروں کوبے وقوف بنانے کی غرض سے ایک مخصوص دن میں یہ تہوار مناتے ہیں ۔جھوٹ کے دن پورا سچ !یہ ہے کہ ہمارے ہاں ہر روز یہ دن منایا جاتا ہے ۔

ہم بات کر رہے تھے کہ پاکستانی معاشرے کی کہ اس میں اس جھوٹ کے عالمی دن کو کیوں منایا جاتا ہے ۔اس کی ایک وجہ تو اوپر لکھی ہے عارضی خوشی حاصل کرنے کے لیے اس کے علاوہ دوسروں کو حقیر جاننابھی اس کی ایک وجہ ہے ۔اپریل فول میں ایسے کام کیے جاتے ہیں جن میں انہیں حقیر جانا گیا ہے بلکہ انہیں حقیر سمجھناہی ان سے مذاق کرنے پر ابھارتا ہے لوگوں کو احمق قرار دینا۔ ہم خود دوسروں سے اعلی خیال کرتے ہیں ۔

اس خامی سے کم ہی بچے ہوں گے ہمارے سیاست دان ،صحافت ،اور عام آدمی بھی دوسروں کو گھٹیا ہی خیال کرتا ہے جیسے جھوٹ نے ہمارے معاشروں کو برباد کر دیا ہے ایسے ہی تکبر ہے اور اس رسم اپریل فول میں یہ دونوں برائیاں پائی جاتی ہیں ۔آج ہمارے معاشرے میں یہ اپریل فول منانے کی وباء دیگر بہت سی وباؤں کی طرح پھیلتی جا رہی ہے ہمارے نوجوانوں کی اکثریت اسے بغیر سوچے سمجھے قبول کر رہی ہے،اس کی ایک وجہ مغرب کی پیروی بھی ہے کیونکہ ہمارے نوجوانوں کی اکثریت

مغرب سے متاثر ہے ،ہمارے نوجوان خود کو جدت پسند کہلانے کے لیے بھی یہ دن منا رہے ہیں ۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہمارے نوجوان سپین میں مسلمانوں کے قتل عام یا حضرت عیسی علیہ السلام والے واقعہ کی یاد میں یہ دن نہیں مناتی ۔

ہمارے ذرائع ابلاغ سے اگر مناسب طریقے سے عوام کے لیے آگاہی مہم چلائی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان سے اس رسم بد کا خاتمہ نہ کیا جا سکے آخر میں قرآن پاک کی سورۃ الحجرات کی ایک آیت کا مفہوم ۔اے ایمان والوں کوئی قوم کسی کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ(جن کا مذاق اڑایا جاتا ہے)ان سے بہتر ہوں ،نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں ۔آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ ،نہ کسی کو برے لقب دو اسلام لانے کے بعد فسق بہت ہی برا نام ہے جس نے توبہ نہ کی وہی ظالم لوگ ہیں ۔

§§§